www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت — غازی عزیر

قسط : ۴ (آخری)

قرآن وسنت کا باہمی تعلق

......ذیل میں ہم اس قسم کی بعض احادیث اور ان کے مخالف قرآن ہونے کی حقیقت پر تبصرہ پیش کرتے ہیں :

حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ کی حقیقت

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾ (۱۳۰)

یعنی "حضرت ابراہیم علیہ السلام انتہائی راست باز نبی تھے" لیکن ایک صحیح حدیث میں مروی ہے "لم یکذب ابراهیم علیه السلام الاثلاث کذبات" (۱۳۱) یعنی "حضرت ابراہیمؑ نے صرف تین مواقع پر جھوٹ سے کام لیا تھا" بظاہر یہ حدیث قرآن سے متصادم نظر آتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیر مطالعہ حدیث قرآن سے کسی طرح متعارض نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں جو تین کذب مذکور ہیں ان میں سے دو وقائع کا تذکرہ تو خود قرآن میں موجود ہے اور تیسرے واقعہ کا ذکر بائیبل (۱۳۲) کے علاوہ کتب حدیث میں ہے، پس ان وقائع کا انکار کسی طرح ممکن نہیں ہے جہاں تک "توریہ" وغیرہ کے ساتھ اس کی تاویل کا تعلق ہے تو یہ اطلاق کذب کو مانع نہیں ہے، نہ اس سے کوئی محذور شرعی لازم آتا ہے اور نہ کسی اصول متفق علیہا کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ "توریہ" و "تعریض" اصل واقعہ کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عصمت قطعاً داغدار نہیں ہوتی، جیسا کہ آگے واضح کیا جائے گا۔

غالباً امام رازیؒ وہ پہلے شخص ہیں جن کو یہ حدیث پہلی بار کھٹکی تھی اور انہوں نے دبے الفاظ میں اس کے انکار کی کوشش کی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں :

"انبیاء کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنے سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ اس روایت کے راویوں کی طرف اسے منسوب کیا جائے" (۱۳۳)

اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جب نبی اور راوی میں سے کسی ایک کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا پڑ جائے تو ضروری ہے کہ اسے نبی کے بجائے راوی کی طرف منسوب کیا جائے۔"(۱۳۴)

لیکن آں رحمہ اللہ نے اس چیز پر غور نہ فرمایا کہ جن رواۃ سے یہ حدیث مروی ہے، انہی رواۃ سے اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں۔ جس عیب کی بناء پر زیر مطالعہ حدیث کو رد کیا جائے گا لامحالہ اس کا اثر ان کی باقی تمام احادیث پر بھی پڑے گا، اس لیے یہ انکار باعتبار نتائج آسان نہیں بلکہ انتہائی خطرناک ہے۔

امام رازیؒ کے بعد علامہ قسطلانیؒ نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ ان علماء کی رائے سے موافقت رکھنے والے علماء کا خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ اخبار آحاد ہیں، اس لیے جرأت کے ساتھ کہہ دینا چاہئے کہ اگرچہ یہ روایتیں صحیحین کی ہیں اور اس لیے مشہور کی حد تک پہنچ گئی ہیں مگر راوی کو ان روایات میں سخت مغالطہ ہوا ہے، لہٰذا ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اس لیے ایک نبی کی جانب کذب کی نسبت کے مقابلہ میں راویوں کی غلطی کا اعتراف بدرجہا بہتر اور صحیح طریق کار ہے۔

متاخرین علماء میں مشہور مصری عالم عبد الوہاب نجار نے "قصص الأنبیاء" میں امام رازیؒ کی رائے کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے کافی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے، اور حضرت ابراہیمؑ وسارہ کے واقعہ سے انکار کیا ہے۔

جناب حمید الدین فراہی صاحب بھی "مقدمہ نظام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"بعض لوگ ایسی روایات تک کو قبول کر لیتے ہیں جو نصوص قرآنی کی تکذیب کرتی ہیں، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے کی روایت یا آں حضرت ﷺ کے خلاف وحی قرآن پڑھ دینے کی روایت"(۱۳۵)

امام رازی، عبد الوہاب نجار اور حمید الدین فراہی صاحبان وغیرہ کی اتباع میں بعض دوسرے علمائے حنفیہ نے بھی ان صحیح روایات کو رد کرنے کے لیے انتہائی مضحکہ خیز اور لایعنی احتمالات پیش کیے ہیں۔ ذیل میں ایسی ہی کوششوں سے متعلق بعض مشہور حنفی علماء کی کتب سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

جناب حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ صاحب لکھتے ہیں:

"لہٰذا ازبس ضروری ہے کہ ایسی روایت یا روایت کے جملہ کو جو اپنی لفظی اور ظاہری تعبیر میں مسلم عقیدہ کے بارہ میں ابہام پیدا کرتا ہو صحیح اور مقبول، مشہور اور متواتر روایات حدیث کے انکار پر حجت ودلیل قائم نہ کر لیں اور اس کو انکار حدیث کا ذریعہ بنا کر قرآن عزیز کو ایک ایسی اجنبی کتاب نہ بنا دیں، جس کی تعبیر کے لیے نہ کسی پیغمبر کے تفسیری اقوال ہیں اور نہ تشریحی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال.....البتہ اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ تمام احادیث رسول روایت باللفظ نہیں ہیں بلکہ بعض روایات بالمعنی ہیں یعنی یہ نہیں ہے رسول پاک ﷺ نے جو بھی الفاظ زبان مبارک سے فرمائے ہوں راوی نے ایک ایک لفظ اسی طرح نقل کردیا ہو بلکہ معنی ومفہوم کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اس روایت کے الفاظ راوی کی اپنی تفسیر ہوتے ہیں، پس ان اہم اور بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب مسئلہ زیربحث کو اس طرح حل کیا جاسکتا ہے کہ بخاری کی احادیث کو بلاشبہ تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ بھی تسلیم کہ یہ کتاب جرح نقد پر کسے جانے اور پرکھے جانے کے بعد امت میں شہرت وقبولیت کا وہ درجہ رکھتی ہے کہ کتاب اللہ کے بعد اس کو اَصح الکتب کہا جاتا ہے تاہم یہ ممکن ہے کہ روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے اس کی کسی روایت میں راوی سے لفظی تعبیر میں سقم پیدا ہوگیا ہو اور روایت اگرچہ اپنے سلسلہ سند اور مجموعہ متن کے اعتبار سے اصولا قابل تسلیم ہو مگر اس جملہ کی تعبیر کو سقیم سمجھا جائے اور اصل روایت کو رد کرنے کی بجائے صرف اس کے سقم کو ظاہر کردیا جائے......بغیر کسی شک اور تردد کے یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ سے متعلق یہ (طویل روایات) روایت بالمعنی کی قسم میں داخل ہیں، اور یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ الفاظ اور جملوں کی پوری نشست نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست ہے بلکہ آپ کے مفہوم اور معنی کو ادا کرتی ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ (ہر دو روایات میں) بیان کردہ واقعات کی صحت کے باوجود زیربحث الفاظ سلسلہ سند کے کسی راوی کے اختلال لفظی کا نتیجہ ہوں اور اس سے یہ تعبیری سقم پیدا ہوگیا ہو۔ خصوصاجب کہ اس کے لیے یہ قرینہ بھی موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ وسارہ اور شاہ مصر کا یہ واقعہ توراۃ میں بھی مذکور ہے اور وہاں اس قسم کے غیر محتاط جملے بکثرت موجود ہیں، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ راوی سے اس اسرائیلی روایت اور صحیح روایت کے درمیان تعبیر میں خلط ہوگیا ہو اور اس لیے اس نے معاملہ کی تعبیر زیربحث الفاظ سے کردی ہو"(۱۳۶)

عبدالوھاب نجار، حفظ الرحمٰن سیوھاروی، ابوالکلام آزاد، حمیدالدین فراہی، شبلی نعمانی، امین احسن اصلاحی، سید ابوالاعلی مودودی اور حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحبان وغیرہم نے بھی اس صحیح حدیث کا انکار کیا ہے۔ یہاں ان تمام حضرات کے طویل اقتباسات نقل کرنے اور ان پر تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا ذیل میں ہم صرف جناب سید ابوالاعلی مودودی اور حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحبان کے اعتراضات نقل کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کریں گے۔ جناب شبلی نعمانی صاحب کے اعتراضات کے جواب کے لیے "حسن البیان" مؤلفہ جناب محمد عبدالعزیز محمدی رحیم آبادیؒ (۱۳۳۸ھ)(۱۳۷) وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ جناب امین احسن اصلاحی کے اعتراض کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائزہ ان شاء اللہ آگے باب ہشتم ("حدیث کے غث وسمین میں امتیاز کے لیے اصلاحی صاحب کی اساسی کسوٹیوں کا جائزہ") کے تحت مختصراً پیش کیا جائے گا۔ باقی حضرات کے اعتراضات کے جوابات بھی ان بحثوں میں آجاتے ہیں۔

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس حدیث پر "رسائل ومسائل" اور "تفہیم القرآن" میں کلام کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :

"حضرت ابراہیم بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ وہ لوگ جواب میں خود اقرار کریں کہ ان کے یہ معبود بالکل بے بس ہیں اور ان سے کسی فعل کی توقع تک نہیں کی جاسکتی، ایسے موقع پر ایک شخص استدلال کی خاطر جو خلاف واقعہ بات کہتا ہے اس کو جھوٹ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ نہ وہ خود جھوٹ کی نیت سے ایسی بات کہتا ہے اور نہ اس کے مخاطب ہی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں، کہنے والا اسے حجت قائم کرنے کے لیے کہتا ہے اور سننے والا بھی اسے اسی معنی میں لیتا ہے۔

بد قسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ ان میں سے ایک "جھوٹ" تو یہ ہے (کہ اس بڑے بت نے کیا ہے) اور دوسرا جھوٹ سورۂ صافات میں حضرت ابراہیمؑ کا قول ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ ہے اور تیسرا جھوٹ ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ بلکہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کرکے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری مسلم کی چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پروا نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ اس ایک روایت کو لے کر پورے ذخیرہ حدیث پر حملہ آور ہوجاتا ہے اور کہتا ہے ساری ہی حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو کیونکہ ان میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں حالانکہ نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں۔ اور نہ فن حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کا ملتزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کرکے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہوجاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی کریم ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر متن میں کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ حدیث جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ بیان کیے گئے صرف اسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں ہے کہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے بلکہ اس بناء پر غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں۔ ان میں سے ایک ''جھوٹ'' کا حال ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ کوئی معمولی عقل وخرد کا آدمی بھی اس سیاق وسباق میں حضرت ابراہیمؑ کے اس قول پر لفظ جھوٹ کا اطلاق نہیں کر سکتا کجا کہ ہم نبی علیہ السلام سے معاذ اللہ اس سخن شناسی کی توقع کریں۔ رہا ﴿اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ﴾ والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اس وقت بالکل صحیح وتندرست تھے اور کوئی ادنیٰ سی بھی شکایت ان کو نہ تھی۔ یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیر بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔

اب رہ جاتا ہے بیوی کو بہن قرار دینے کا واقعہ تو وہ بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں ہو سکتا۔ قصہ اس وقت کا بتایا جاتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ مصر گئے ہیں۔ بائیبل کی رو سے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۷۵ اور حضرت سارہ کی عمر ۶۵ برس سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اور اس عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ شاہ مصر اس خوبصورت خاتون کو حاصل کرنے کی خاطر مجھے قتل کر دے گا۔ چنانچہ وہ بیوی سے کہتے ہیں کہ جب مصری تمھیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے لگیں تو تم بھی مجھے اپنا بھائی بتانا اور میں بھی تمھیں اپنی بہن بتاؤں گا تاکہ میری جان توبچ جائے۔ (پیدائش باب ۱۲)

حدیث کی زیر بحث روایت میں تیسرے جھوٹ کی بنیاد اسی صریح لغو اور مہمل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے؟ اسی طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں''(۱۳۸)

ایک اور مقام پر جناب ابو الاعلیٰ مودودی صاحب رقم طراز ہیں:

''...... میں نے وہ دلائل بھی بیان کر دیئے ہیں جن کی بناء پر میں اس روایت کے مضمون کی صحت تسلیم کرنے میں متامل ہوں۔ اگر میرے ان دلائل کو دیکھ کر آپ کا اطمینان ہو جائے تو اچھا ہے اور نہ ہو تو جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں اسی کو صحیح سمجھتے رہیں۔ اس طرح کے معاملات میں اگر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف رہ جائے تو آخر مضائقہ کیا ہے ؟ آپ کے نزدیک حدیث کا مضمون اس لیے قابل قبول ہے کہ وہ قابل اعتماد سندوں سے نقل ہوئی ہے اور بخاری، مسلم، نسائی اور متعدد دوسرے اکابر محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک وہ اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ اس میں ایک نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ چند راویوں کی روایت پر اسے قبول کر لیا جائے...... مگر میں اس روایت کے ثقہ راویوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے جھوٹی روایت نقل کی ہے بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔ اس لیے اسے نبی ﷺ کا قول قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ محض سند کے اعتماد پر ایک ایسے مضمون کو آنکھیں بند کر کے ہم کیسے مان لیں جس کی زد انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر پڑتی ہے ؟...... الخ"(۱۳۹)

اور انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان کے مؤسس جناب حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے مقولہ بالا اقتباسات کو تائیداً نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"یہ تو علامہ مودودی مرحوم کا بیان تھا لیکن محدثین کے یہاں حدیث کی ایک اصطلاح ادراج ہے اور اس کا مطلب تو ہوتا ہے کہ کسی صحیح روایت میں راوی کے الفاظ داخل کر دیئے جائیں اور اس راوی کے الفاظ کو غلطی سے حدیث سمجھ لیا جائے، تو ہو سکتا ہے راوی نے بطور تشریح اسرائیلی روایت بیان کی ہو اور بعد کے راوی نے اسے حدیث رسول ﷺ سمجھ لیا ہو اور پھر حدیث رسول ﷺ کہہ کر بیان کر دیا ہو۔ ایسی حدیث کو مدرج بولتے ہیں۔ یہاں مدرج کی تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ ہم اس کی تفصیل پیش کر دیتے"(۱۴۰)

ہماری شدید خواہش ہے کہ جناب حفظ الرحمٰن سیوھاروی، سید ابو الاعلیٰ مودودی اور حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی وغیرہ صاحبان کے مذکورہ بالا احتمالات کا تفصیلی جواب پیش کریں، لیکن بخوف طوالت اور موضوع سخن سے براہ راست متعلق نہ ہونے کے باعث ان منقولہ عبارتوں کی صرف چند واضح اغلاط کی نشاندہی پر ہی اکتفا کرتے ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ نے مہلت اور توفیق بخشی تو ان شاء اللہ اس موضوع پر مفصل بحث بھی کی جائے گی۔ فی الحال منقولہ اقتباسات کی چند واضح اور اہم اغلاط ملاحظہ فرمائیں :

۱۔ جناب سیوھاروی صاحب کے انکار کی بنیاد کسی ٹھوس دلیل پر نہیں بلکہ فقط اس احتمال پر ہے کہ : "یہ ممکن ہے کہ روایت بالمعنیٰ ہونے کی وجہ سے اس کی کسی روایت میں راوی سے لفظی تعبیر میں سقم پیدا ہو گیا ہو" اور "یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ الفاظ اور جملوں کی پوری نشست نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست ہے"...... ہم پوچھتے ہیں کہ جناب سیوہاروی صاحب کو اس روایت کے باللفظہ نہ ہونے کا علم کیوں کر ہوا...... ؟ اگر یہ قیاس ہے، اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقیناً قیاس ہے جیسا کہ الفاظ "یہ ممکن ہے کہ" سے مترشح ہے تو محض ایک بلا دلیل قیاس کی بنیاد پر کسی صحیح حدیث کو رد کرنا کسی صحیح الذہن شخص کے نزدیک درست نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ "الفاظ اور جملوں کی پوری نشست...... الخ" تو آخر یہ دعویٰ کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ الفاظ اور جملوں کی پوری نشست نبی اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی نشست نہیں ہے ؟

۲۔ جناب مودودی صاحب کے انکار کی بنیاد یہ چند وجوہ ہیں :

(الف) "بد قسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں"

(ب) حضرت ابراہیم کے قرآن میں مذکورہ اقوال پر لفظ جھوٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(ج) یہ روایت ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے،

(د) اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں

(ح) جس وقت شاہ مصر کا حضرت سارہ کو چھیننے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۷۵ اور حضرت سارہ کی عمر ۶۵ سال تھی، چنانچہ اس عمر میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف لاحق ہونا جائے خود ایسا مہمل ہے کہ ہر شخص اس کو سن کر ماننے سے انکار کر دے گا۔

(و) سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے

(ز) اس طرح کے معاملات میں اگر اختلاف ہو بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور

(ح) کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ جاننی چاہیے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ "بد قسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں" مذکور نہیں، بلکہ صرف "صحیح البخاری" میں ہی ان کذبات ثلاثہ کا تذکرہ تقریباً پانچ مقامات پر مذکور ہے، کہیں پورا متن ہے، کہیں مختصر، کہیں تعلیقاً اور کہیں مرفوعاً۔ البتہ "کتاب الانبیاء" میں یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ احادیث شفاعت میں بھی ان کذبات کا ذکر ہے، چنانچہ مروی ہے کہ قیامت کے دن جب میدان حشر میں لوگ پریشان ہو کر مختلف وجوہ بیان کریں گے۔ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے ان تینوں کذبات کا یوں ذکر کرتے ہوئے معذرت فرمائیں گے : "انی قد کذبت ثلاث کذبات" واضح رہے کہ میدان حشر سے متعلق یہ حدیث صحیح البخاری کے علاوہ صحیح المسلم، جامع الترمذی، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، المستدرک للحاکم، معجم للطبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند ابن عوانہ میں بھی مختلف اصحاب رسول رضی اللہ عنہم سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے "کذبات ثلاثۃ" کے متعلق روایات "صحیح البخاری"[141]، "صحیح المسلم"[142]، "جامع الترمذی"[143]، "سنن ابی داؤد"[144] اور "مسند احمد"[145] کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں حضرت ابراہیمؑ کے اقوال ﴿إِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ اور ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ وغیرہ پر "کذب" کا جو اطلاق کیا گیا ہے وہ لغۃً ہے، اصلاوہ کذب شرع میں محرم نہیں۔ خود مودودی صاحب نے اس جملہ میں کہ "حضرت ابراہیم نے بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔" اس بات کا اعتراف کیا ہے کا آں علیہ السلام نے اگرچہ ایک خلاف واقعہ بات کہی تھی لیکن ان کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا۔ دراصل جناب مودودی صاحب یا دیگر مفکرین نے حدیث میں وارد لفظ "کذب" کو شرع میں محرم "جھوٹ" پر محمول کر لیا ہے، حالانکہ عربی لغت میں کذب جھوٹ سے کہیں زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ہے۔ مثلاً "كذبته نفسه" سے مراد یہ ہے کہ "اسے اس کے نفس نے ترغیب دلائی"۔ جوہری اور فراء کے قول کے مطابق کذب بمعنی وجوب کے بھی ہیں۔[146] کبھی کذب لزوم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً یہ بولا جاتا ہے کہ "كذب عليكم الحج والعمرة" یعنی "تم پر حج اور عمرہ لازم ہو گیا" اسی طرح کذب غلطی اور خطا کے لیے بھی بولا جاتا ہے مثلاً: "کذب ابو محمد" یعنی "(صحابی رسول) ابو محمد (سعود بن زید) نے غلطی کی" اجتھادی خطا پر بھی کذب کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ نے تابعی نوف بکالی کے متعلق فرمایا تھا: "كذب عدوالله" یعنی "اللہ کے دشمن (نوف) نے غلطی کی" اسی طرح عربی شاعر ذوالرمۃ کا قول ہے: "ما في سماعه كذب" یعنی "اس کے سماع میں غلطی نہیں ہے" کبھی کذب کا اطلاق تعریض و توریہ پر بھی ہوتا ہے یعنی جب متکلم خبر واقعہ اور مخبر عنہ کے مطابق دے لیکن امر واقعہ اور حقیقت کو مخاطب سے مخفی رکھنا چاہیے۔ توریہ و تعریض حقیقت میں سچ ہوتا ہے لیکن سامع کی فہم کے اعتبار سے اسے کذب بھی کہا جاسکتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

"والتعريض كلام له وجهان من صدق وكذب او ظاهر وباطن قال: فيما عرضتم به من خطبة النساء"[147]

یعنی "تعریض ایسی گفتگو ہوتی ہے جس کے دو پہلو ہوتے ہیں: صدق و کذب یا ظاہر و باطن جیسے "فیما عرضتم به من خطبة النساء" سے واضح ہے"۔

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں"

"ان الكذب ضد الصدق وان افترقا من حيث النية والقصد لان الكاذب يعلم ان ما يقوله كذب والمخطى لا يعلم"[148]

اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی ﷺ کے غزوات وغیرہ میں بھی ملتی ہیں چنانچہ مروی ہے: "الحرب خدعة"[149] یعنی "جنگ میں دھوکہ درست ہے" اسی طرح سفر ہجرت میں جب کسی شخص

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حضرت ابوبکرؓ سے نبی ﷺ کے متعلق دریافت کیا ہے کہ ''یہ آپ کے رفیق کون ہیں؟'' تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا تھا: ''رجل یھدینی سبیل'' ''یہ وہ شخص ہے جو میری رہنمائی کرتے ہیں'' لوگ حضرت ابوبکر کے جواب سے دنیاوی رہبری مراد لیتے حالانکہ حضرت ابوبکر کی مراد آخرت کی رہنمائی تھی۔ کیا زیر مطالعہ حدیث کے منکرین اس جواب کی روشنی میں انہیں ''کاذب'' کہنے کی جسارت کریں گے؟ حالانکہ آں رضی اللہ عنہ کا لقب ہی ''الصدیق'' تھا۔ اگر نہیں، تو پھر اس قول کو تعریض پر ہی محمول کرنا پڑے گا، پس اگر ایک صحابی رسول کے لیے تعریض کا استعمال ممکن ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے مقام نبوت کے پیش نظر ان کے اقوال کو تعریض سے تعبیر کرنا بدرجہا اولیٰ ہے۔

پس معلوم ہے کہ حدیث زیر مطالعہ میں ''کذب'' کو تعریض پر اس طرح محمول کرنا کہ ''سقیم'' سے دو معنی مراد ہیں: جسمانی مریض اور روحانی مریض (اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے) ''کبیر ھم'' سے بھی دو معنی مراد ہیں: بڑا بت اور اللہ تعالیٰ (یہاں حضرت ابراہیمؑ کی مراد دوسرے معنی سے ہے) اور ''اختی'' کے معنی بھی نسبتی اور دینی بہن کے ہیں (یہاں بھی دوسرا معنی مراد ہے)، گویا حضرت ابراہیمؑ نے تعریض و توریہ کے ذریعہ اپنے مخاطبین کو ظاہری معانی میں الجھادیا اور خود اس کا مخفی معنی مراد لیا...... ایک بالکل صحیح اور معقول توجیہ ہے۔ اس سے نہ حضرت ابراہیمؑ کی عصمت و نبوت پر کوئی ''زد'' پڑتی ہے اور نہ ہی کذبات ثلاثہ والی روایت، قرآن کی آیت ﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾ کے خلاف باقی رہتی ہے۔ واضح رہے کہ اس توجیہ میں جناب مودودی صاحب کے اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے کہ رہا ''إِنِّیْ سَقِیْمٌ'' والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اس وقت بالکل صحیح و تندرست تھے اور کوئی ادنیٰ سی بھی شکایت ان کو نہ تھی''

اس تعریض و توریہ کے متعلق حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''الکلام له نسبتان نسبة الی المتکلم وقصده وارادته ونسبة الی السامع وافهام المتکلم ایاه مضمونه فاذاأخبر المتکلم بخبر مطابق للواقع وقصد أفهام المخاطب ایاه صدق بالنسبتین فان المتکلم ان قصد الواقع وقصد افهام المخاطب فهو صدق من الجهتین وان قصد خلاف الواقع وقصد مع ذلك أفهام المخاطب خلا ف ما قصد بل معنی ثالثا لاهوالواقع ولا هو المراد فهو کذب من الجهتین بالنسبتین معا وان قصد معنی مطابقا صحیحا وقصد مع ذلك التعمية علی المخاطب وأفهامه خلاف ما قصده فهو صدق لانسبة الی قصده کذب بالنسبة الی افهامه ومن هذا الباب التوریة والمعاریض وبهذا أطلق علیها ابراهیم الخلیل صلی الله علیه وسلم إسم الکذب مع انه الصادق فی خبره ولم یخبر إلا صدقا فتأمل هذا الموضع الذی أشکل علی الناس وقد ظهر بهذا ان الکذب لا یکون قط إلا قبیحا وان الذی یحسن ویحب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انماھو التوریة وھی صدق وقد یطلق علیه الکذب بالنسبة إلی الافھام لا إلی العنایة"[(۱۵۰)]

یعنی "کلام وگفتگو کی دو نسبتیں یا حیثیتیں ہوتی ہیں: (۱) متکلم کے قصد وارادہ کے لحاظ سے، (۲) سامع کے اعتبار سے، یعنی متکلم سامع کے ذہن میں کیا بات اتارنا چاہتا ہے۔ ان دونوں نسبتوں کے لحاظ سے کلام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) متکلم اصل واقعہ کے مطابق خبر دے اور اس کی نیت بھی یہی ہو کہ صحیح صورت حال سے مخاطب آگاہ ہوجائے۔ یہ صورت مذکورہ بالا دونوں نسبتوں کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوگی (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خلاف واقعہ خبر دی جائے اور جو متکلم کا مقصود ہے وہ بھی مخاطب پر ظاہر نہ ہونے دیا جائے بلکہ کوئی تیسرا مفہوم مخاطب کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جائے جو نہ واقع کے بیان کے مطابق ہو اور نہ متکلم کے پیش نظر واقع کے مطابق صحیح خبر دینا ہی مقصود ہوتا ہے، لیکن وہ گفتگو کا اسلوب ایسا اختیار کرتا ہے کہ مخاطب کا ذہن متکلم کے اصل مقصد کو سمجھنے کی بجائے ایسے امر کی طرف منتقل ہو جائے جو متکلم کا منشاء نہیں ہے۔ یہ صورت اصل واقعہ کے لحاظ سے صدق ہے لیکن مخاطب کے فہم کے اعتبار سے اس پر کذب کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس قسم کے اسلوب کلام کو توریہ اور تعریض کہا جاتا ہے۔ اس پہلو کے پیش نظر حضرت ابراہیمؑ پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے، ورنہ اصل واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت ابراہیمؑ اس گفتگو میں سچے ہیں"

"والخبر تارة یکو ن مطابقا لمخبره کالصدق المعلوم انه صدق وتارة لا یکون مطابقا لمخبره کالکذب المعلوم انه کذب وقد تکون المطابقة فی عنایة المتکلم وقد یکون فی أفھام المخاطب واذا کان اللفظ مطابقا لما عناه المتکلم ولم یطابق افھام المخاطب فھذا أیضا قد یسمی کذبا وقد لا یسمی ومنه المعاریض لکن یباح للحاجة۔"[(۱۵۱)]

امام نوویؒ شرح "صحیح المسلم" میں فرماتے ہیں:

"بعض علماء مثلاً طبری وغیرہ کا قول ہے کہ کذب کسی بھی بارے میں اصلاً جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کذب کی اباحت کے متعلق حضرت ابراہیم ویوسف علیہما السلام کے واقعات میں جو کچھ وارد ہے اس سے مراد توریہ ومعاریض کا استعمال ہے نہ کہ صریح کذب کا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات کو ادا کیا جائے جس سے مخاطب متکلم کے اصل منشاء کو سمجھنے کے بجائے وہ مطلب سمجھے جو اصلاً اس کا مقصد نہیں ہے۔ یہ معاریض مباح ہیں، پس یہ تمام وقائع جائز ودرست ہیں۔ ان علماء نے حضرت ابراہیم ویوسف علیہما السلام کے واقعات کی معاریض کے طریقہ پر تاویل فرمائی ہے"[(۱۵۲)]

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ زیر مطالعہ حدیث پر شیعوں کے طعن کا جواب دیتے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے رقم طراز ہیں :

"اس روایت میں لفظ کذب کا تعریض کے معنی میں ہے کہ بحسب ظاہر جھوٹ معلوم ہو اور تحقیقت سچ ہو جیسا کہ آں حضرت ﷺ کی خوش طبیوں میں منقول ہے : العجائز لا تدخلن الجنة وانّی حاملك علی ولدناقة وان فی عین زوجك بیاضا، اور مثل ان کے علی ہذا حضرت امیر (علیؓ بن ابی طالب) سے بھی ایسی تعریضیں بہت مروی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ اسی قسم سے تھے۔ اس لیے کہ انہوں نے جو اپنی بیوی کو بخوف ایک جبار کے خواہر بتایا مراد اس سے اخوۃ اسلامی رکھی ہے۔ اور یہ جو باوصف صحت ﴿إِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ (یعنی میں روگی ہوں) اس سے بے مزگی اور کدورت روحانی کہ مرض جسمانی سے بڑھ کر ارادہ کی ہے، ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ (یعنی بلکہ یہ کام اس نے کیا ہے جو ان سب میں بڑا ہے) یہ واسطے حیلے اور کفار کے نہیں ہے، بلکہ ایک فرضی طور پر کہا ہے بس اطلاق کذب کا ان امور پر بسبب مشاکلت اور مشابہت کے ہے اور یہ بھی بنظرِ مصلحت ضروری کے ایک جبار ی سے اپنے آپ کو بچانا تھا، حالانکہ ایسے مواقع پر جہاں اندیشہ ماں اور جان اور ناموس کا ہو اگر صریح جھوٹ بھی ہو تو وہ بھی حلال ہے نہ کہ تعریضات۔ وہ جو کفار کو الزام دیا اور بتوں کی عبادت کا دیکھنا گوارا نہ کیا تو یہ سب درکنار الثار روایات صحیح المضامین کو محل طعن بنانا اور اپنی روایتوں کو صریح دلالت برے برے واقعات پر جو انبیاء اور رسل کی نسبت لکھے ہیں اور کرتے ہیں بھول جانا پرلے درجے کی بے حیائی ہے...... الخ" (۱۵۳)

اور جناب مفتی محمد شفیع صاحب "معارف القرآن" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول جھوٹ نہیں بلکہ ایک کنایہ تھا، اس کی تفصیل و تحقیق" اور "حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کرنے کی حقیقت" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں :

"......اس کے جواب کے لیے حضرات مفسرین نے بہت سے احتمالات بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کو خلاصہ تفسیر بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بطور فرض کے تھا یعنی تم یہ کیوں نہیں فرض کیے لیتے کہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہو گا اور بطور فرض کے کوئی خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ میں داخل نہیں ...... لیکن بے غبار اور تاویل وہ توجیہ ہے جس کو بحر محیط، قرطبی، روح المعانی وغیرہ میں اختیار کیا ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے جو کام ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا اس کو بڑے بت کی طرف بطور اسناد مجازی کے منسوب کر دیا...... یہ ایک اسناد مجازی ہے جیسے عربی کا مشہور مقولہ :"انبت الربیع البقله" اس کی معروف مثال ہے (یعنی موسم ربیع کی بارش نے کھیتی اگائی ہے) کہ اگرچہ اگانے والا درحقیقت حق تعالیٰ ہے مگر اس کے ایک ظاہری سبب کی طرف منسوب کر دیا گیا اور اس کو کوئی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھوٹ نہیں کہہ سکتا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کی طرف اس کو عملاً اور قولاً منسوب کر دینا جھوٹ ہرگز نہیں ...... یہ اسناد مجازی کے طور پر فرمایا تو اس میں کوئی جھوٹ اور خلاف واقعہ کا شبہ نہیں رہتا صرف ایک قسم کا توریہ ہے"(۱۵۴)

اور

"......اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ کی نسبت صراحۃً کی گئی ہے جو شان نبوت و عصمت کے خلاف ہے مگر اس کا جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے وہ یہ کہ دراصل ان میں سے ایک بھی حقیقی معنی میں جھوٹ نہ تھا۔ یہ توریہ تھا جو ظلم سے بچنے کے لیے جائز و حلال ہوتا ہے وہ جھوٹ کے حکم میں نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل خود حدیث مذکور میں یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا تھا کہ میں نے تمھیں اپنی بہن بتلایا ہے، تم سے پوچھا جائے تو تم بھی مجھے بھائی بتلانا اور بہن کہنے کی وجہ بھی ان کو بتلا دی کہ ہم دونوں اسلامی برادری کے اعتبار سے بہن بھائی ہیں، اسی کا نام توریہ ہے کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جن کے دو مفہوم ہو سکیں، سننے والا اس سے ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم کی ہو اور ظلم سے بچنے کے لیے یہ تدبیر توریہ کی باتفاق فقہاء جائز ہے...... توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس معنی سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح اور سچ ہوتے ہیں جیسے اسلامی برادری کے لحاظ سے بھائی بہن ہونا، یہ وجہ تو خود حدیث مذکور کے الفاظ میں صراحۃً مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ درحقیقت کذب نہ تھا بلکہ ایک توریہ تھا، ٹھیک اسی جرح کی توجیہ پہلے دونوں کلاموں میں ہو سکتی ہے، بل فعلہ کبیرھم کی توجیہ ابھی اوپر لکھی گئی ہے کہ اس میں بطور اسناد مجازی اس فعل کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا ہے، اسی طرح انّی سقیم کا لفظ ہے کیونکہ سقیم کا لفظ جس طرح ظاہری طور پر بیمار کے معنی میں آتا ہے اسی طرح رنجیدہ و غمگین اور مضمحل ہونے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے انّی سقیم فرمایا تھا۔ مخاطبوں نے اس کو بیماری کے معنی میں سمجھا، اور اسی حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ ان تین کذبات میں دو اللہ کی ذات کے لیے تھے یہ خود قرینہ قویہ اس کا ہے کہ یہ کوئی گناہ کا کام نہ تھا ورنہ گناہ کا کام اللہ کے لیے کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا اور گناہ کا کام نہ ہونا جبھی ہو سکتا ہے جب کہ وہ حقیقۃً کذب نہ ہو بلکہ ایسا کلام ہو جس کے دو معنی ہو سکتے ہوں، ایک کذب اور دوسرا صحیح ہو"(۱۵۵)

اوپر گزر چکا ہے کہ کذب بہر حال قبیح ہے لیکن بوقت ضرورت توریہ و تعریض قابل قبول ہو سکتا ہے کیونکہ توریہ اصل واقعہ کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوتا ہے، اس پر کذب کا اطلاق اس لحاظ سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا جاتا ہے کہ واقعہ کے مطابق اصل مقصود و مخاطب کو باور کرانا مطلوب نہیں ہوتا۔ تعریضات کی راہ زندگی کا ایسا لازمہ ہے کہ اس سے بچنا سخت دشوار ہے، چنانچہ علم بدیع کی اصطلاح معاریض فصحاء وبلغاء کے کلام میں بکثرت رائج ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے کذبات ثلاثہ کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ جھوٹ ہر حال میں حرام نہیں ہوتا، بلکہ بعض مخصوص حالات میں شرع نے ضرورۃً اس کی اجازت بھی دی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس"(۱۵۶)

"وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولے"

بعض دوسری روایات میں مذکور ہے:

"لا یحل الکذب الا فی ثلاث یحدث الرجل امرأته لیرضیها والکذب فی الحرب والکذب لیصلح بین الناس"(۱۵۷)

یعنی "جھوٹ بولنا صرف تین صورتوں میں جائز ہے: (۱) جب کہ مرد اپنی ناراض بیوی کو رضامند کرنے کے لیے جھوٹ بولے (۲) بحالت جنگ جھوٹ بولا جائے، اور (۳) لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولا جائے"

لہٰذا اگر حضرت ابراہیمؑ کے ان تینوں وقائع کو کذب پر محمول کیا جائے تو بلا شبہ یہ کذبات، کذب مباح کی قبیل ہی سے ہوں گے۔ علامہ ابن حزم اندلسی کا رجحان اسی طرف ہے۔ بعض روایات میں تو اس مصلحت کی تصریح بھی موجود ہے کہ "ما منها کذبة الا ما حصل بها عن دین الله" یعنی "ابراہیمؑ کے ان تینوں جھوٹ میں سے ہر ایک صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی مدافعت وحمایت کے لیے ہی بولا گیا ہے"

امام نوویؒ شرح صحیح المسلم میں فرماتے ہیں:

"قاضی کا قول ہے کہ ان صورتوں میں کذب کے جواز کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ کذب مباح سے مراد کی تعیین میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ جو اس کے اطلاق کا قائل ہے، اس نے حدیث بالا میں مذکورہ تین مواضع کے علاوہ مصلحت کے متقاضی ہونے کی صورت میں کذب کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ کہ کذب مذموم وہ ہے جس میں مضرت پائی جاتی ہو۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم ویوسف علیہما السلام کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اس بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی ظالم شخص کسی کو قتل کرنے کا قصد کرلے تو اس پر جھوٹ بول کر اپنی جان بچانا واجب ہے۔ بعض دوسرے علماء مثلاً طبری وغیرہ کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول ہے کذب اصلاً کسی میں بھی جائز نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کی اس کی اباحت کے بارے میں جو کچھ وارد ہے اس سے مراد توریہ معاریض کا استعمال ہے نہ کہ صریح کذب ،اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات ادا کرے جس سے مخاطب ، متکلم کے اصل مطلب کو سمجھنے کے بجائے وہ مطلب سمجھے جو اس کا منشاء نہیں ہے۔ یہ معاریض مباح ہیں ، پس یہ تمام وقائع جائز ودرست ہیں۔ ان علماء نے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے قصص کی معاریض کے اسی طریقہ پر تاویل کی ہے"(۱۵۸)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن عقیل سے نقل فرماتے ہیں :

"دلالة العقل تصرف ظاهر إطلاق الكذب على إبراهيم وذلك ان العقل قطع بان الرسول ينبغي ان يكون موثوقا به ليعلم صدق ما جاء به عن الله ، ولا ثقة مع تجويز الكذب عليه فكيف مع وجود الكذب منه وانما اطلق عليه ذلك لكونه بصورة الكذب عند السامع وعلى تقديره فلم يصدر ذلك من ابراهيم عليه السلام الا في حال شدة الخوف لعلو مقامه والا فالكذب المحض في مثل تلك المقامات يجوز وقد يجب لتحمل أخف الضررين دفعا لاعظمهما وأما تسميته اياها كذبات فلا يريد انها تذم فان الكذب وان كان قبيحامخلا قد يحسن في مواضع وهذا منها"(۱۵۹)

اور شیخ حسن احمد خطیب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :

"ومن ذلك اباحتهم الكذب اذا ترتب على الصدق مفسدة عظيمة وقد فصل الحموي في الاشباه الكلام في ذلك فقال ما خلاصته ان الكذب يجوز في ثلاثة مواضع في الاصلاح بين الناس وفي الحرب وعلى الزوجة لاصلاحها......الخ ويراد بذلك استعمال المعاريض لا الكذب الصريح ونقل ان الكذب يباح لا حياء حق......الخ"(۱۶۰)

واضح رہے کہ اس طرح کی تاویلات کی گنجائش خود امام رازی اور حمید الدین فراہی صاحب کے منقولہ کلام میں بھی موجود ہے لہٰذا حدیث زیر بحث کو بہر اعتبار صحیح ہی قرار دیا جائے گا۔ اس بارے میں صحیحین کی روایات تلقی بالقبول کی وجہ سے صحت اور شہرت کے اس درجہ اور مرتبہ پر پہنچی ہوئی ہیں جنہیں محض اخبار آحاد کہہ کر مردود قرار نہیں دیا جا سکتا ، لہٰذا متقدمین فقہائے سنت حتیٰ کہ مشہور معتزلہ اور متکلمین سے بھی کسی نے فنی طور پر اس پر نہ کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی اس پر اشتباہ کا اظہار کیا تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ راوی کو جھوٹا کہنا نبی کو جھوٹا کہنے سے بہتر ہے تو یہ بات بھی نہایت سطحی ہے کیونکہ نبی کو جھوٹا کہنا تو باعث کفر ہے۔ محدثین کرام جنہوں نے اس حدیث کی صحت بیان کی ہے وہ نبی کو جھوٹا کس طرح کہہ سکتے ہیں جب کہ ان کا تمام تر انحصار ہی نبوت اور نبی ﷺ کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشادات کی صداقت وحقانیت پر ہوتا ہے۔

محض احتمال کی بنیاد پر یہ سمجھ لینا کہ "راوی سے لفظی تعبیر میں سقم پیدا ہوگیا ہوگا" یا یہ "کسی راوی کے اختلال لفظی کا نتیجہ ہو" یا "کسی نہ کسی مرحلے پر اس کو نقل کرنے میں کسی راوی سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے" وغیرہ، انتہائی لغو اور بے اصولی کی بات ہے۔ محدثین میں سے آج تک کسی سے بھی ایسی جرح منقول نہیں ہے۔ فن جرح وتعدیل کے اعتبار سے کسی راوی کو مجمل طور پر ضعیف کہہ دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ضعف کا سبب مفصل، صریح اور غیر مبہم (مفسر) ہونا ضروری ہے۔ عقل بھی اس احتمال کو تسلیم کرنے سے اباء کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے مختلف اصحاب کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے ان "کذبات" کا تذکرہ کیا ہو، پھر ان سب صحابہ سے جن جن لوگوں نے سنا اور آگے اپنے تلامذہ کو منتقل کیا ہو۔ بیک وقت ان سب کو سننے یا سمجھنے یا نقل کرنے میں سہو یا "بے احتیاطی" یا "تعبیری سقم" یا اختلاط لفظی" لاحق ہوا ہو۔ پس اس قسم کے احتمالات نہ عقلاً درست ہیں اور نہ نقلاً، بلکہ انہیں بے اصولی اور بے ضابطگی کی زندہ مثال کہا جاسکتا ہے۔

حضرت ابراہیم کے تیسرے کذب کے متعلق جناب مودودی صاحب کا قول ہے کہ اس کا "ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے" گویا جو چیز قرآن میں مذکور نہیں وہ آں محترم کی نگاہ میں معتبر نہیں ہے، حالانکہ دین کا ایک بڑا حصہ قرآن میں مذکور نہیں بلکہ احادیث کے ذریعہ ہی ہم تک پہنچا ہے۔ اگر مودودی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جن چیزوں کا تذکرہ قرآن میں نہیں اور احادیث کی کتب میں موجود ہے تو وہ چیزیں اصلاً بائبل ہی سے منتقل ہوکر کتب احادیث میں جگہ پاگئی ہیں...... ایک انتہائی خطرناک اور مہلک سوچ ہے۔

اگر اس واقعہ کا انکار محض اس بنیاد پر کیا جاسکتا ہے کہ اس کا تذکرہ "قرآن میں نہیں ہے بائبل میں آیا ہے" تو میں پوچھتا ہوں کہ سفر مصر کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ کی عمروں کے متعلق جو کچھ آں موصوف نے تحریر کیا ہے وہ بھی تو قرآن میں نہیں بلکہ بائبل ہی میں مذکور ہے، پھر یہ چیز کس طرح آپ کے نزدیک لائق حجت ہوگئی......؟ جب کہ ان کی عمروں کا تذکرہ ذخیرہ احادیث میں کہیں نہیں ملتا، برخلاف اس کے اس واقعہ کا تذکرہ بائبل کے علاوہ کتب احادیث میں بھی پوری شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے۔ پس ان واقعات کا کتب احادیث کے علاوہ بائبل میں بھی موجود ہونا اس وقوعہ کو مزید مؤکد کرتا ہے۔

جہاں تک قول: "سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہوجاتا ہے"...... کا تعلق ہے تو یہ موقع اس موضوع پر بحث کرنے کا نہیں ہے، ان شاءاللہ اس پر تفصیلی گفتگو باب چہارم کے تحت ہوگی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محترم مودودی صاحب کا یہ قول بھی درست نہیں ہے کہ "اس طرح کے معاملات میں اگر اختلاف رہ جائے تو آخر مضائقہ کیا ہے ؟" یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو علم حدیث سے کچھ زیادہ ممارست نہ ہو بلکہ بس ایک واجبی سا ہی تعلق رہا ہو۔ جو لوگ علوم حدیث پر گہری بصیرت رکھتے ہیں وہ اس چیز کو کوئی معمولی بات نہیں سمجھتے کیونکہ یہ صرف ایک حدیث کا ہی انکار نہیں ہے بلکہ اس کا اثر براہ راست ان تمام پر بھی پڑتا ہے جو ان رواۃ سے مروی ہیں۔

جہاں تک جناب حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب کے احتمال کا تعلق ہے تو جاننا چاہیے کہ "ادراج" بھی محض دعویٰ یا احتمال کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا، اس کے اثبات کے لیے کسی ٹھوس دلیل کا موجود ہونا شرط ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "الادراج لا یثبت بمجرد الدعویٰ والاحتمال"[۱۶۱] آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "الاصل ما کان فی الخبر فهو منه حتی یقوم دلیل علی خلافه والأصل عدم الادراج ولا یثبت الا بدلیل"[۱۶۲] (مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت" (عنوان اثبات ادراج کے لیے دلیل کا ہونا شرط ہے") کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔)

اگر دیکھا جائے تو زیر مطالعہ حدیث میں ادراج کی مندرجہ ذیل علامات میں سے کوئی بھی علامت موجود نہیں ہے:

۱ کسی دوسری روایت میں اس ادراج کو الفاظ حدیث سے علیحدہ کر کے بیان کیا گیا ہو۔

۲۔ بعض باخبر اور ماہر ائمہ حدیث کی اس ادراج پر صراحت موجود ہو۔

۳۔ خود راوی کا اعتراف یا تصریح کرنا کہ اس نے اس کلام کو حدیث میں شامل کیا ہے، اور

۴۔ مدرج کلام کی نوعیت ایسی ہو کہ نبی ﷺ کے زبان مبارک سے اس کا صدور محال ہو۔

پس جناب حبیب الرحمٰن صاحب کا دعویٰ بھی اصولاً باطل اور علوم حدیث سے ان کی بے بضاعتی کا مظہر ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی "کذبات ثلاثہ" سے متعلق حدیث قطعاً صحیح اور ہر اعتبار سے معقول ہے۔ امام رازیؒ سے قبل صدیوں تک ان روایات پر محدثین، فقہاء اور علماء اصول میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ جن لوگوں نے اس کو آیت ﴿كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾ کے خلاف سمجھا ہے، انہوں نے خطا کی ہے، بلکہ جناب مفتی محمد شفیع صاحب تو ایسا سمجھنے کو "جہالت" سے تعبیر فرماتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

> "حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام کو غلط قرار دینا جہالت ہے: مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مغلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو باوجود صحیح السند ہونے کے اس لیے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط اور باطل کہہ دیا کہ اس سے حضرت خلیل اللہ کو جھوٹا قرار دیا جائے کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہے اور پھر اس سے ایک کلیہ قاعدہ یہ نکال لیا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو خواہ وہ کتنی ہی قوی اور صحیح اور معتبر اسانید سے ثابت ہو وہ غلط قرار دی جائے۔ یہ بات اپنی جگہ تو بالکل صحیح اور ساری امت کے نزدیک بطور فرض محال کے مسلم ہے مگر علماء امت نے تمام ذخیرہ احادیث میں اپنی عمریں صرف کر کے ایک ایک حدیث کو چھان لیا ہے جس حدیث کا ثبوت قوی اور صحیح اسانید سے ہو گیا ان میں ایک باطل کو کرنا چاہا تو اس کو قرآن سے ٹکرا دیا اور یہ کہہ کر فارغ ہو گئے کہ یہ حدیث خلاف قرآن ہونے کے سبب غیر معتبر ہے جیسا کہ اسی حدیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ الفاظ کذبات سے توریہ مراد ہونا خود حدیث کے اندر موجود ہے، رہا یہ معاملہ کہ پھر حدیث میں توریہ کو کذبات کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا گیا تو اس کی وجہ وہی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بھول اور لغزش کو عصیٰ اور غویٰ کے الفاظ سے تعبیر کرنے کی ابھی سورہ طٰہٰ میں موسیٰ کے قصہ میں گزر چکی ہے کہ مقربان بارگاہ حق تعالیٰ کے لیے ادنیٰ کمزوری اور محض رخصت اور جائز پر عمل کر لینا اور عزیمت کو چھوڑ دینا بھی قابل مواخذہ سمجھا جاتا ہے اور ایسی چیزوں پر قرآن میں حق تعالیٰ کا عتاب انبیاء کے بارے میں بکثرت منقول ہے......الخ (۱۶۳)

۲۔ تعذیب المیت ببکاء اہلہ

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (۱۶۴)

یعنی "اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا"

لیکن آیت سے بظاہر متعارض حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک مرفوع حدیث میں مروی ہے :

"ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ" (۱۶۵)

"بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی بناء پر عذاب دیا جاتا ہے"

حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سہو، نسیان اور خطائے فہم پر محمول کیا ہے، چنانچہ فرماتی ہیں :

"یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی او أخطأ" (۱۶۶)

یعنی "اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن کو معاف فرمائے، اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا ہے البتہ وہ بھول گئے یا ان سے خطا ہو گئی ہے"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اس حدیث کا پس منظر یوں بیان فرماتی ہیں :

"انما مر رسول الله ﷺ علی یهودیة یبکی علیها اهلها فقال أنهم لیبکون علیها وإنها تعذب فی قبرها"(۱۶۷)

یعنی "ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر یہودیہ کی قبر کے پاس سے ہوا جس کے اہل خانہ اس پر نالہ وشیون بپا کیے ہوئے تھے تو آں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : یہ لوگ اس پر ماتم کر رہے ہیں حالانکہ وہ اپنی قبر میں مبتلائے عذاب ہے"

بظاہر حضرت عائشہؓ کی اس صراحت کے بعد حدیث اور قرآن میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، لیکن چونکہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی نہیں بلکہ دوسرے کئی صحابہ سے بھی مروی ہے (۱۶۸) لہذا امام بخاری اس کی یہ توجیہ فرماتے ہیں :

"یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه اذا کان النوح من سنته لقوله تعالیٰ : ﴿قُوٓا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (۱۶۹) وقال النبی صلی الله علیه وسلم : "کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته فاذا لم یکن من سنته فهو کما قالت عائشة لا تزر وازرة وزر أخریٰ وهو کقوله :وإن تدع مثقلة الی حملها لا یحمل منه (۱۷۰) شئی"(۱۷۱)

یعنی "میت کو گھر والوں کے ماتم کی بناء پر عذاب اس وقت ہو گا جب نوحہ وماتم خود اس کا طریق کار رہا ہو، کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے :اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اسی طرح ارشاد نبویؐ ہے : تم میں سے ہر ایک راعی اور نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ پس اگر اس کی زندگی میں نوحہ اس کا طرز عمل نہ تھا تو اس شکل میں حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق آیت ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ کا اس پر اطلاق ہو گا اور دوسری آیت میں ہے :اگر گناہوں سے بوجھل کوئی شخص اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی دوسرے شخص کو بلائے گا تو اس کا بوجھ اٹھایا جائے گا"

جمہور اہل علم نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اس قسم کے طرز عمل سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتا تھا بلکہ خود اسے اختیار کرتا تھا یا مرتے وقت اس نے اپنے اہل خانہ کو سینہ کوبی اور نوحہ کی وصیت کی تھی تو وہ حدیث مذکورہ بالا کے مطابق عذاب کا مستحق ہو گا، چنانچہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں :

"اگر مرنے والا شخص ان کو اپنی زندگی میں نوحہ سے منع کرتا تھا لیکن پھر بھی لوگ اس کے مرنے کے بعد ایسا کریں تو اس پر اس کا عذاب (عقاب) نہ ہو گا"(۱۷۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ دور جاہلیت میں اس قسم کی وصیت کا رواج عام تھا۔ محمد بن جریر الطبری وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ :

"حدیث میں "یعذب" سے مراد یہ ہے کہ مردہ جب اپنے اہل خانہ کو روتے اور سینہ کوبی کرتے ہوئے سنتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس سے غمگین وملول ہوتا ہے۔ یہ عالم برزخ کی کیفیت ہے، یوم قیامت کی نہیں ہے"

امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ وغیرہ نے اس رائے کو پسند کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

"اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ عزوجل زندوں کی آہ وبکاء سے اس پر عقاب کرتا ہے۔ عذاب عقاب سے زیادہ عام لفظ ہے جیسا کہ السفر قطعة من العذاب (یعنی سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے) سے ظاہر ہے اور یہ عقاب اس کے گناہ پر نہیں بلکہ یہ تعذیب وتألم کی کیفیت ہے"۔[174]

اور امام قرطبیؒ نے اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ آیت ﴿ولا تزر وازرہ وزر اخری﴾ کا تعلق قیامت کے دن سے ہے جب کہ حدیث میں مذکور عذاب کا تعلق برزخی زندگی سے ہے جو ایک گونہ دنیاوی احوال کے مشابہ ہے"

۳) اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے : ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾[175] یعنی "تم پر مردار اور خون حرام قرار دیا گیا ہے" یہاں "المیتۃ" ہر نوع کے مردار پر عام ہے لیکن بعض مرفوع وموقوف احادیث میں مردہ مچھلی اور ٹڈی نیز خون بہ شکل جگر وکلیجی کو استثناء حلال قرار دیا گیا ہے جو کہ بظاہر خلاف قرآن ہے لیکن دراصل اس استثناء اور عموم قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾[176] یعنی "یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے" جب کہ "صحیح البخاری" کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے : "لا تفضلوا بین انبیاء اللہ " یعنی "اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو" بظاہر یہ حدیث مذکورہ آیت کے خلاف ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس موقع پر نبی ﷺ نے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے وہ یہ تھا کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا : "والذی اصطفی محمدا علی العالمین " غصہ نے جب بڑھ کر زدوکوب کی صورت اختیار کی تو اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا : "لا تفضلوا بین انبیاء اللہ " آں ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب تھا کہ بحیثیت نفس رسالت تمام انبیاء برابر ہیں اور یہی ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾[177] کا مفہوم بھی ہے۔ فضیلت دینے میں کسی ایک نبی کی کم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن کوئی شخص محض اپنے قیاس سے یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں نبی کو فلاں نبی پر فضیلت حاصل ہے، بالخصوص اس طرح کہ فلاں فلاں بات میں یا ہر طرح اور ہر بات میں۔ چنانچہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں کسی نبی کی کم قدری اور اس بارے میں قیاس آرائی کرنے سے منع فرمایا تھا، تو حدیث و قرآن کے مابین ظاہری تعارض رفع ہو گیا۔

اگر کوئی پھر بھی حدیث اور قرآن کے ان یا ان جیسے دوسرے تعارضات کو پیش کرے اور اس بارے میں کسی قسم کی تاویلات قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو ہم جواباً اس کے سامنے قرآن کی آیات کے مابین تعارضات کو پیش کریں گے۔ جب قرآن کی آیات کے مابین تعارضات کو حل کرنے کے لیے تاویلات پیش کی جاسکتی ہیں تو آخر احادیث کے تعارض کو حل کرنے کے لیے تاویلات کا سہارا کیوں ممنوع ہے؟

منہال بن عمرو الاسدی نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ:

"مجھے قرآن میں کچھ چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جو میرے لیے ایک دوسرے کے خلاف ہیں مثلاً ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ [178] یعنی "پس ان میں جو باہمی رشتے ناتے تھے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا" جب کہ ﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ [179] یعنی "اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب کرنے لگیں گے" اسی طرح ﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾ [180] یعنی "اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفاء نہ کر سکیں گے" جب کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [181] یعنی "قسم اللہ کی اے ہمارے رب ہم مشرک نہ تھے" (اس آیت میں مشرکین کے کتمان کا تذکرہ ہے) اور ﴿اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾ [182] یعنی "(بھلا تمہیں دوسری بار پیدا کرنا زیادہ سخت ہے) یا آسمان کا کہ جس کو اللہ نے بنایا، اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا" اس آیت میں آسمان کو زمین سے قبل پیدا فرمانے کا ذکر ہے جب کہ ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ [183] یعنی "آپ فرمائیے کیا تم لوگ ایسے اللہ کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا، اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی سارے جہانوں کا رب ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں پورے ہیں، پوچھنے والوں کے لیے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا سو اس سے اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں" اس آیت میں زمین کو آسمان سے قبل پیدا فرمانے کا تذکرہ ہے۔ بظاہر ان تینوں آیات میں ان کے ساتھ لکھی جانے والی آیات کے ساتھ تعارض ہے۔ لیکن ابن عباسؓ نے ان کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ ﴿فَلاَ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ والی آیت نفخہ اولی کے بارے میں ہے جب کہ آیت ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ دوسرے نفخہ کے بعد کی کیفیت بیان کرتی ہے اور مشرکین قیامت کے ابتدائی مرحلہ میں ﴿وَاللهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ہی کہیں گے۔ لیکن جب ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے اعضاء گواہی دینے لگیں گے تو اس حالت کے لیے ﴿وَلاَ يَكْتُمُوْنَ اللهَ حَدِيْثًا﴾ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح دو دنوں میں زمین کو پیدا فرمایا پھر آسمان کو تخلیق فرمایا پھر آسمان پر مستوی ہوا پھر آخری دو دنوں میں زمین کو بچھایا اور اس کو بچھا کر اس میں سے پانی وغیرہ کو نکالا اور جبال وجمال اور جو کچھ ان کے مابین ہے ان سب کو انہی آخری دو دنوں میں پیدا فرمایا......الخ"۔(۱۸۴)

ان چند مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی صحیح السند حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اگر کہیں قرآنی آیت اور حدیث کے درمیان بظاہر تعارض محسوس بھی ہوتا ہے تو معمولی غور وفکر سے اس کو رفع کیا جا سکتا ہے، بالکل اسی طرح کہ قرآنی آیات کے باہمی تعارض واختلاف کو بہ آسانی دور کیا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ اوپر بیان کی گئی تیسری اور چوتھی اقسام کی احادیث جناب خالد مسعود صاحب کی تقسیم کے اعتبار سے حدیث کی چوتھی اور پانچویں قسمیں ہیں جنکے متعلق آنجناب فرماتے ہیں کہ یہ "آخری دونوں قسمیں فرضی ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں کیونکہ ان سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہے" یہاں ہم آں موصوف سے یہ پوچھیں گے کہ ان دونوں اقسام کی احادیث کے "فرضی" اور درحقیقت ان کے عدم وجود پر آں محترم کے مطلع ہونے کا ذریعہ کیا ہے؟ پھر آں جناب کے پاس ایسا کون سا پیمانہ ہے جس سے ناپ کر یقینی طور پر یہ علم ہو سکے کہ کتاب اللہ سے زائد احکام والی فلاں احادیث کا قرآن متحمل ہے اور فلاں کا نہیں؟ نیز یہ کہ جب منجانب اللہ واضح طور پر اطاعت الٰہی کے ساتھ مکمل اطاعت رسول کا حکم بھی دیا گیا ہے، خواہ آپ ﷺ کا وہ حکم کتاب اللہ میں صراحۃً مذکور ہو یا نہ ہو، تو ان احادیث کے متعلق اطاعت رسول سے انکار آخر کس بنیاد پر ہے؟ جب یہ بات بھی ہر خاص وعام کے علم میں ہے کہ نبی ﷺ قرآن کے شارح ومبین تھے تو جس آیت کے جو معنی بھی آں ﷺ بیان فرمائیں اسے بلا ردوقدح اور بلا چوں وچرا قبول کر لینے میں یہ اعتراض کیسا کہ جو حکم قرآن سے زائد یا بظاہر خلاف نظر آئے وہ فرضی ہے یا درحقیقت اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے؟ ایک مزید سوال یہ بھی ہے کہ جب ایک مومن سے دین وایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ دیں اسے لے لے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز آجائے اور جس معاملہ میں آپ کوئی فیصلہ فرمادیں اسے بخوشی قبول کرنے میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کرلے تو پھر ان اضافی احکام پر مبنی یا بظاہر خلاف قرآن احادیث سے انکار کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا صحیح احادیث نبوی سے قرآن کا نسخ ہوسکتا ہے یا نہیں تو اس کا تفصیلی جواب انشاء اللہ آگے مناسب مقام پر پیش کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ بعض احادیث اپنے مضمون کے اعتبار سے بعض اوقات قرآن کے ظاہر مفہوم کے خلاف نظر آتی ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ صرف قرآن سے موافقت رکھنے والی احادیث کو ہی قبول کیا جائے اور باقی کو رد کردیا جائے کیونکہ یہ خیال امت کے متفقہ تعامل، جسے قرآن نے سبیل المؤمنین بتایا ہے، سے یکسر انحراف ہوگا جس پر عذاب جہنم کی وعید شدید بیان کی گئی ہے۔

اگر صرف قرآن سے موافقت رکھنے احادیث کو ہی قبول کیا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ جب قرآن میں ان احادیث کے ہم معنی احکام موجود ہیں تو پھر ان احادیث کو قبول کرنے یا نہ کرنے سے اصلا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر قرآن کی شرح بیان کرنے والی یا قرآن سے زائد حکم بیان کرنے والی یا بظاہر مخالف قرآن احادیث کو نظر انداز کردیا جائے تو امت کے لیے قرآن کے صحیح مفہوم کو سمجھنا محال ہوکر رہ جائے گا، جو یقیناً ایک بڑا دینی خسارہ ہوگا۔

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

”اگر بظاہر (اس لیے کہ حقیقی تعارض تو ممکن نہیں) دو آیتیں یا دو صحیح حدیثیں یا ایک آیت اور ایک حدیث باہم متعارض معلوم ہوں تو دونوں پر عمل کرنا واجب ہے اس لیے کہ دونوں اطاعت کے اعتبار سے مساوی الدرجہ ہیں۔ لہذا جب تک ممکن ہو دوسری کی خاطر ایک کو نظر انداز کرنا روا نہیں ہے اور اس پر عمل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ قلیل المعانی آیت یا حدیث کو کثیر المعانی آیت وحدیث سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جو آیت یا حدیث کسی زائد حکم پر مشتمل ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ کہ اس کا وجوب مبنی بر یقین ہے اور یقین کو ظن کی بنا پر ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی وضاحت وصراحت کر دی ہے، لہذا اس میں کسی پیچیدگی کا احتمال نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (۱۸۵) آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کردیا نیز فرمایا ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۸۶) اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے“ (۱۸۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

(۱۳۰) سورۃ الریم ۴۱ (۱۳۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۸ (۱۳۲) کتاب پیدائش باب ۱۲ (۱۳۳) تفسیر الکبیر للرازی ج ۶ ص ۱۱۳ (۱۳۴) نفس مصدر ج ۷ ص ۱۴۵ (۱۳۵) رسالہ "تدبر" لاہور عدد ۷ ص ۳۴ ۳ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء (۱۳۶) قصص القرآن للسیوھاروی ج ۱ ص ۱۹۹، ۲۰۸ طبع چہارم (۱۳۷) حسن البیان لعبد العزیز رحیم آبادی ص ۱۳۲، ۱۳۴ (۱۳۸) تفہیم القرآن للمودودی ج ۳ ص ۱۶۷، رسائل ومسائل ج ۲ ص ۳۵، ۳۸ (۱۳۹) نفس مصدر ج ۳ ص ۶۱، ۶۲ (۱۴۰) مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت للکاندھلوی ج ۲ ص ۴۲۶ (۱۴۱) ج ۶ ص ۳۸۸ ج ۹ ص ۱۲۶ (۱۴۲) کتاب الفضائل باب ۱۵۴ (۱۴۳) مع تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۴۸ (۱۴۴) مع عون المعبود ج ۲ ص ۲۳۳ (۱۴۵) ج ۲ ص ۴۰۳ (۱۴۶) لابن الاثیر ج ۴ ص ۱۲، ۱۳ (۱۴۷) المفردات لراغب الاصفہانی ص ۱۰۲ (۱۴۸) النہایۃ لابن الاثیر ج ۴ ص ۱۳ (۱۴۹) صحیح المسلم ج ۲ ص ۸۳ (۱۵۰) مفتاح دار السعادۃ ومنشور العلم والارادۃ لابن قیم ج ۲ ص ۳۹ (۱۵۱) الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح للشیخ الاسلام ج ۲ ص ۲۸۴ ملخصاً (۱۵۲) کمافی تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۳ ص ۱۲۷ (۱۵۳) ھدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفۃ اثناء عشریہ لشاہ عبدالعزیز، مترجم عبدالمجید خاں، باب دوم ص ۱۶۷ طبع میر محمد کراچی (۱۵۴) معارف القرآن للمفتي محمد شفیع ج ۶ ص ۱۸۵، ۱۸۶ (۱۵۵) نفس مصدر ج ۶ ص ۱۸۷، ۱۸۸ (۱۵۶) جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۲۸، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۳۳۴ (۱۵۷) جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۲۷، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۳۳۴ (۱۵۸) کمافی تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۳ ص ۱۲۷ (۱۵۹) فتح الباری لابن حجر ج ۶ ص ۳۹۲ (۱۶۰) الفقہ الاسلام للشیخ حسن احمد ص ۲۳۰ (۱۶۱) فتح الباری ج ۲ ص ۹۱ ج ۳ ص ۹۶ ج ۵ ص ۳۸، ۱۹۹ ج ۱۱ ص ۹۰، ۴۸۶ (۱۶۲) نفس مصدر ج ۲ ص ۸۳، ۹۶ ج ۴ ص ۳۴۷ ج ۷ ص ۳۱۱ (۱۶۳) معارف القرآن للمفتي محمد شفیع ج ۶ ص ۱۸۸ (۱۶۴) الانعام ۱۶۴، الاسراء ۱۵، فاطر ۱۸، الزمر ۷ (۱۶۵) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۱ (۱۶۶) صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۶ ص ۲۳۴ (۱۶۷) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲ (۱۶۸) سبل السلام ج ۲ ص ۱۵۳ (۱۶۹) التحریم ۶ (۱۷۰) فاطر ۱۸ (۱۷۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۰ (۱۷۲) کمافی عمدۃ القاری ج ۴ ص ۷۹ (۱۷۳) کمافی جواہر الادب للہاشمی ج ۲ ص ۴۳۵ (۱۷۴) مجموعۃ الرسائل المنیریۃ ج ۲ ص ۲۰۹ والتہذیب لابن قیم ج ۴ ص ۲۹۰، ۲۹۳ (۱۷۵) المائدۃ ۳ (۱۷۶) البقرۃ ۲۵۳ (۱۷۷) البقرۃ ۲۵۸ (۱۷۸) المؤمنون ۱۰۱ (۱۷۹) الصافات ۲۷، ۵۰ الطور ۲۵ (۱۸۰) النساء ۴۲ (۱۸۱) الانعام ۲۳ (۱۸۲) النازعات ۲۷، ۳۰ (۱۸۳) فصلت ۹، ۱۱ (۱۸۴) صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۸ ص ۵۵۵، ۵۵۶ ملخصاً (۱۸۵) المائدۃ ۳ (۱۸۶) النحل ۸۹ (۱۸۷) المحلی لابن حزم مترجم غلام احمد حریری ج ۱ ص ۹۵، ۹۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ